رابعہ شبیر احمد

اسکالر پی ایچ ڈی اقبالیات، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

پروفیسر ڈاکٹر شاہد اقبال کامران

سابق صدر شعبہ اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

ریاست اور اقبال

Rabia Shabbir Ahmad
Scholar Ph.D Iqbaliyat, Allama Iqbal Open University, Islamabad.
Prof. Dr. Shahid Iqbal Kamran
Ex- Dean faculty of Social Sciences and Humanities, & Ex Chairman Department of Iqbaliyat, Allama Iqbal Open University, Islamabad.

State and Iqbal

Allama Iqbal is a philosopher cum poet. His teachings are useful for humanity till now after passing a century. The Quran played a vital role in shaping his philosophy. His thoughts and teaching cannot be obsolete because he gets the light from the Holy Quran and the Sunnah of Prophet Muhammad (Peace be Upon Him). Iqbal not only gets inspiration from the Holy Quran but also suggests his readers to get the light from the Holy Book. He wrote many verses in his Urdu and Persian poetry about the Quran. He also wrote letters to his friends about the inspiration of Quran. He is of the view that Muslims can regain their great status if they act upon on the Quran teachings. In this article a detailed review has been taken how the Quran shaped his intellectual and mental evolution. A detailed analysis has also been taken about his basic concept "Khudi" in the light of the Quran.

Keywords: *State, Muslim state, political ideology, political movement, religious movement, revolution*

اقبال کا تصور ریاست اگر ایک دو جملے کی صورت بیان کرنا ہو تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اقبال نے مغرب کے جدید تصورِ ریاست پر یہ کہہ کر کاری ضرب لگائی کہ مغرب نے مادے اور روح کی دوئی مانی نظریات کے زیر اثر قبول کی یا مادہ اور روح کو الگ کر دیا یا مذہب اور ریاست کو دو مختلف شعبوں میں بانٹ دیا جبکہ اسلام کی بنیاد ہی یہ ہے کہ مادہ اور روح ایک وحدت ہیں۔ اقبال کی فکر میں مذہب اور ریاست یہ ایک کل کے اجزا ہیں جن میں کوئی ثنویت نہیں ہو

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

سکتی۔ جیسا کہ اقبال نے اپنے ایک مقالے میں یہ فکر ظاہر کی کہ ہر بڑا مذہب کائنات اور انسان کے متعلق کچھ نظریات رکھتا ہے اور ان نظریات کی ایک بنیاد ہوتی ہے۔ جیسے بدھ مت نے کائنات کی تعبیر ایک دکھ سے کی جس میں انسان کی حیثیت ایک جبر کی سی ہے کہ انسان اسی عالم میں دکھ کی طاقت کے مقابل انتہائی بے بس ہے۔ جن سے انسان کا میلان شخصیت کے ابھارنے کی طرف جاتا ہو۔ دوسری جانب بحیثیت ایک مذہب عیسائیت نے کائنات کی بنیاد گناہ پر رکھی اور یہ گناہ کی الائش کو انسانی زندگی کا فطری حصہ قرار دیا جس سے بذات خود نجات حاصل کرنا ممکن نہیں جب تک کہ وہ کسی فوق الطاقت شخصیت کی مدد حاصل نہ کرے۔ بدھ مت کے برعکس عیسائیت انسانی شخصیت کو حقیقت سمجھتی ہے مگر گناہ کے خلاف ایک ناکافی طاقت۔ مگر ناکافی ہونے اور ناکافی کو بدی سمجھنے میں دونوں ہم آہنگ ہیں۔ اس کے متوازی زردشتی مذہب کے نزدیک عالم میں ایک جنگ ہے اور انسان ان مخالف قوتوں کا مرکب ہے اور وہ آزاد ہے کہ اپنے آپ کو نیکی کی طاقتوں کی طرف لگائے جو انجام کار غالب آجائیں۔ مگر وہ عالم کی حقیقت کو دو حصوں میں بانٹ دیتا ہے کہ ایک عالم کا حصہ بدی ہے دوسرا نیکی۔ اس کے برعکس اسلام کائنات کو ایک حقیقت سمجھتا ہے اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس کو بھی حقیقت جانتا ہے۔ جیسے کہ گناہ، دکھ باہمی جدوجہد وغیرہ، مگر اسلام یہ نظریہ رکھتا ہے کہ بدی کائنات کے لیے ضروری نہیں ہے بلکہ یہ عالم قابل اصلاح ہے۔ گناہ اور بدی کے عنصر دور کیے جاسکتے ہیں جو کچھ زمین اور آسمان میں ہے وہ سب خدا کا ہے یعنی جو امور بظاہر انسان کو تباہی اور ہلاکت کے موجبات نظر آتے ہیں وہ ہی زندگی کا سرچشمہ ہوسکتے ہیں۔ اگر انسان ان کو مناسب طریقے پر قابو میں لے آئے یعنی اسلام صحیح عمل کے اثر پر اعتبار رکھتا ہے اس لیے اسلام کے نقطہ خیال کو اصلاحی کہہ سکتے ہیں۔[1] اسی طرح اقبال نے کائنات کی یا عالم کی تعبیر کے ضمن میں ایک اور جگہ ان الفاظ میں لکھا:

> ”اسلام نے روحانی اور مادے کی تفریق کبھی روا نہیں رکھی۔ کسی عمل کی ماہیت کا فیصلہ اس لحاظ سے نہیں کیا جاسکتا کہ اس کا تعلق کسی حد تک حیات دنیوی سے ہے بلکہ اس کا انحصار صاحب عمل کے ذہنی رجحان پر ہے۔ اگر زندگی کی مقصدیت کو سامنے نہیں رکھا جاتا تو ہمارا عمل دنیوی ہے اور اگر یہ مقصدیت ہماری آنکھوں سے اوجھل نہیں تو ہمارا عمل روحانی ہے۔ قرآن پاک کے نزدیک حقیقت مطلقہ محض روح ہے اور اس کی زندگی عبارت ہے۔ اس فعالیت سے جس کو ہم زمانے میں جلوہ گر دیکھتے ہیں۔ لہٰذا طبیعی اور مادی اور دنیوی ہی تو

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

ہے جس میں روح کو اپنے اظہار کا موقع ملتا ہے اور اس لیے وہ ہر شے جسے اصطلاحاً دنیوی کہا جاتا ہے اپنی اصل میں روحانی تسلیم کی جائیگی۔"(۲)

اقبال نے اس فلسفہ زندگی کے خلاف پر جوش آواز بلند کی اور عالم اور انسان کا تعلق روحانی تعبیروں پر قائم کرنے کی طرف توجہ دی۔ ان کے خیال میں کائنات کی روحانی تعبیر انسان کے لاشعور میں پہلے سے موجود ہے اور قرآن نے کائنات کے مشاہدہ اور خود انسان کی اپنی پیدائش پر جو غور و فکر کرنے کی تعلیم دی ہے وہ اس لیے ہے کہ عالم کی روحانی تعبیر جو انسان کے لاشعور میں پہلے سے موجود ہے اسے شعور کی سطح پر لایا جائے۔ اقبال کا نقطہ نگاہ تھا کہ مغرب نے فلسفہ زندگی کی بنیاد جس تفریق اور ثنویت پر رکھی اس کا منطقی نتیجہ خدا کا انکار یا الحاد تھا۔ کیونکہ اسی ثنویت کے زیر اثر مغرب نے سائنس کی بنیاد بھی خدا کے انکار پر رکھی جیسے ریاست کی بنیاد خدا کے انکار پر رکھی گئی تھی۔ اور مغرب نے اس فلسفے کی بنیاد رکھی کے مادے اور محسوسات کا تعلق کسی خدائی معرفت سے نہیں ہے۔ یوں مغرب نے ایک درجہ میں خدا کا کلی انکار کیا اور دوسرے درجے میں خدا کو ایک سوپر نیچرل سی چیز بنادیا۔

مگر اقبال کا نقطہ نگاہ ہے کہ مغرب نے مشاہداتی علم کا رشتہ خدا کی ہستی سے کاٹ کر انسانیت اور اس کی فکر پر بے بہا ظلم کیا کیوں کہ طبیعی علوم کی حقیقت یہی ہے کہ وہ خود خدا کی ہستی کا علم انسانیت کو پہنچا رہے ہیں گویا اقبال کا نقطہ نگاہ ہے کہ یہ تقسیم بھی درست نہیں۔ تمام طبیعی علوم، علومِ بشریات و عمرانیات کو توحید کے تصور سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ تمام طبیعی علوم صرف مادے کی تشریح نہیں رکھتے بلکہ ایک پہلو سے روحانی تعبیر رکھتے۔ اس ضمن میں وہ خود خداجوئی یا خدایابی کا ایک ذریعہ ہیں۔ مگر مغرب نے اپنا فلسفہ حیات خدا کے انکار پر رکھ کر اسے انسانی تمدن کے ہر پہلو سے دور کر دیا۔ جیسے اقبال نے کہا:

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی
سماتی کہاں اس فقیری میں میری
خصومت تھی سلطانی و راہبی میں
کہ وہ سربلندی ہے یہ سربزیری
سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا
چلی کچھ نہ پیرِ کلیسا کی پیری!!
ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

ہوس کی اسیری، ہوس کی وزیری
دوئی ملک و دیں کے لیے نامرادی
دوئی چشم تہذیب کی نابصیری

اقبال کی فکر کا ریاست کے حوالے سے بنیادی نظریہ یہ تھا کہ انسان کی انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی جب خدا کے احکامات اور اثبات کے تابع ہوتی ہے تو ریاست کے اندر یا ریاست سے باہر یعنی بین القوامی معاملات میں بھی اخلاق کے تابع رہتی ہے یوں یہ دنیا اس فساد سے بہت حد تک بچ سکتی ہے۔ جس فساد و فتنہ کے ہاتھوں چار سو تباہی پھیل رہی ہے اور طاقت ہی خدا ہے کا فلسفہ زور آور ہو کر انسانیت کی ہلاکت کا موجب بن رہا ہے۔ اس لیے اقبال کے نزدیک حکومت و ریاست کی یہ ثنویت کسی صورت قبول نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس کا وحدت کی شکل میں ہونا ہی انسان اور انسانیت کی باہمی زندگی کے لیے اشد ضروری ہے۔

فکر اقبال میں ریاست اور مذہب کی علیحدگی ایک چنگیزیت ہے جو زندگی میں دن دگنی اور رات چگنی سائنسی ترقی کرنے کے بعد بھی انسانیت کے مسائل حل کرنے میں بری طرح ناکام ہے بلکہ اس نے کرہ ارض پر انسانیت کے مسائل میں بدرجہا اضافہ کر دیا ہے۔ اقبال کا تصورِ ریاست مکمل اسلامی تصورات پر مبنی ہے۔ انھوں نے برصغیر میں مسلمانوں کی علیحدہ ریاست کے خیال کے ساتھ اس کے لیے ایک دینی، معاشرتی اور نظریاتی بنیاد بھی فراہم کی ہے۔ اقبال کے نزدیک مسلمان مغربیت کے زیر اثر اور اس کی قائم کی گئی ثنویت جو ریاست میں خدا کو بے دخل کرتی ہے اور وطنیت پر اپنی اجتماعی ہیت کی تشکیل کرتی ہے، سے متاثر ہو کر اپنی روحانی بنیادوں پر یقین کھو رہے جسے مستحکم کرنے کی ضرورت ہے۔ انسانیت کی نجات کسی ملحدانہ نظریہ ریاست میں نہیں ہو سکتی چاہیے وہ مغربی سرمایہ دارانہ نظام ہو یا ملحدانہ اشتراکیت یا کوئی تیسرا۔ انسانیت کی زندگی کی بنیادیں اور اس کی تنظیمی ہیت کی تشکیل روحانی بنیادوں پر نہ کی جائے تو انسانیت نہ کبھی امن دیکھ سکتی ہے نہ ہی کبھی حقیقت کے ادراک تک پہنچ سکتی ہے وہ عملی طور پر تصادم، بے رحم انانیت، سنگ دلی، جوع زر کی تسکین اور مسابقت میں الجھی رہے گی اور نظریاتی طور پر حقیقت کے ادراک سے کوسوں دور یونہی بھٹکتی رہے گی۔ یعنی اقبال کا نقطہ نگاہ تھا کہ انسان کو اپنے ہر معاملے میں اس سچائی کی ضرورت ہے جسے مذہب یا فکر اقبال میں وحی کہتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک اسلام ہی وہ وحدت ہے جو روح اور مادے کو یکجا کرتی ہے اور یہ وحدت خدا کی مطلق وحدت سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ ہم تک اس وحی کی سچائی کے طور پر پہنچی ہے اور سچائی ایک ہی ہو سکتی ہے۔ کئی سچائیاں نہیں ہو سکتیں۔ خدا ہی سچائی کو ہم تک وحی کے ذریعے پہنچا دیتا ہے

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

اور اس کا بھیجا گیا علم ہی حقیقت اور سچائی اور فیصلہ کن معیارات کا حامل ہو سکتا ہے۔ مغرب کی ریاست اور مذہب کی علیحدگی اور مسلمانوں کو اپنی روحانی بنیادوں کو مستحکم کرنے پر اقبال اپنے الٰہ آباد خطبہ میں کہتے ہیں:

"یورپ کے سیاسی فکر نے جو خیالات پھیلائے ان سے مسلمانوں کی موجودہ نسل کے نظریات نہایت سرعت کے ساتھ اندرونِ ہند اور بیرون ہند تبدیل ہو رہے ہیں۔ ہمارے نوجوان ان خیالات سے متاثر ہو کر انھیں اپنے ملکوں میں زندہ قوت کا روپ دینے کے لیے بے قرار ہیں اور یہ ان حقائق کا تنقیدی جائزہ لیے بغیر ہو رہا ہے۔ جنھوں نے یورپ میں ان کا ارتقا معین کیا۔.......... آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اس اجلاس سے خطاب کرنے کے لیے ایسے آدمی کو چنا جو اسلام سے بحیثیت ایک زندہ وقت کے مایوس نہیں رہا جو اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ افراد اور ریاست کی زندگی میں مذہب ایک طاقت ہے جو بے انتہا اہم ہے ...... کیا آپ یہ چاہیں گے کہ ایک اخلاقی اور سیاسی تصور کی حیثیت سے اسلام کے ساتھ بھی عالمِ اسلام میں وہی معاملہ ہو جیسا کہ یورپ میں عیسائیت کے ساتھ پہلے ہو چکا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ اسلام کو ایک اخلاقی تصور کی حیثیت سے برقرار رکھا جائے اور نظامِ سیاست کے طور پر اسے قومی سیاست کے حق میں مسترد کر دیا جائے جس میں مذہبی رویئے کو کوئی کردار ادا کرنے کی اجازت نہیں ہوتی ...... تاہم رسولؐ کے مذہبی تجربے کی نوعیت جیسا کہ قرآن کریم میں انکشاف کیا گیا ہے کہ کلیتاً مختلف ہے...... اس کا فوری نتیجہ نظام سیاست کے بنیادی اصول ہیں جن پر واضح قانونی تصورات محیط ہیں اور جس کی سماجی اہمیت کو صرف اس لیے کم نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی اصل الہامی ہے۔ لہٰذا اسلام کا مذہبی تصور خلقی اعتبار سے اس معاشرتی نظام سے وابستہ ہے جسے خود اس نے تخلیق کیا ہے۔ ان میں سے ایک کو مسترد کیا جائے تو آخر کار دوسرا بھی مسترد ہو جائے گا۔"(۳)

اقبال کا نقطہ نگاہ تھا کہ دین ہی ایسے سیاسی اصول اور معاشرتی مساوات تخلیق کر سکتا ہے جو نہ صرف ریاست کی چار دیواری کے اندر بلکہ باہر عالم انسانی رواداری اور ایثار پیدا کر کے دین سے بے گانہ دماغوں کی سیاست اس کی متحمل نہیں ہو سکی کہ وہ استبدادی سیاست کی جگہ کسی اخلاقی سیاست کا مظہر بن سکے۔ ان کا یقین تھا کہ انسانی عقل کو وحی کی ضرورت ہے اور وحی زندگی کے ہر معاملے میں اعلیٰ رہنمائی کرتی ہے اس سے بے گانگی پر عقل جو علم

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

حاصل کرتی ہے وہ فساد و شر بن جاتا ہے۔ ریاست کا اسلامی تصور یہی ہے کہ ریاست کے دستور و قوانین اور نظم اجتماعی کی بنیاد وحی پر رکھی جائے۔ مگر آسمانی وحی کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد اب عقل اس معاملے میں بالغ یا آزاد بھی ہو گئی ہے کی وہ بدلتے تمدن اور حالات سے نبرد آزما ہونے کے لئے وحی کے علم سے استفادہ کرتے ہوئے اپنا لائحہ عمل ترتیب دے۔ ان دونوں بنیادوں پر ایک معاشرہ ایک نظم اجتماعی تشکیل دیتا ہے۔ ریاست کے ضمن میں اقبال خلیفہ یا امام کے منصب کو وہ اہمیت نہیں دیتے جو اس باب میں کچھ مذہبی مفکرین نے دیے بلکہ ان کا تصور ریاست ابن خلدون کے تصور ریاست کی طرح مذکورہ بالا دو اصولوں کو بنیاد بناتا ہے اور امام یا خلیفہ کے متعلق اقبال کا نظریہ تھا کہ خلافت ختم ہونے کے بعد خلیفہ کا منصب جماعت کے سپرد بھی کیا جا سکتا ہے۔ نیز عالمگیر خلافت کی جگہ مسلم ریاستوں کی اکائیوں کی یونین یا اتحاد بنایا جاسکتا ہے۔

مذکورہ بالا دو بنیادی اصولوں کے علاوہ اقبال نے تصور ریاست میں جس کو حد درجہ اہمیت دی وہ اصولِ انتخاب ہے۔ اقبال کی فکر میں ریاست کے اسلامی تصور کی جذئیات کہ امام کا منصب جماعت کو بھی دیا جاسکتا ہے۔ نظمِ اجتماعی کے دیگر اصول، قانون سازی اور اجتہاد کی بنیاد اور لائحہ عمل، ویٹو پاور، فرد اور ریاست کا رشتہ، معاشی نظم وغیرہ جن پر آگے آنے والے صفحات پر روشنی ڈالی جائے گی۔ یہاں سرِ دست یہ کہ ریاست کے تصور کے ساتھ اقبال کے ذہنی ارتقا کا گہرا تعلق ہے۔ انھوں نے ریاست کے تصور کے متعلق جتنا زور اس بات پر دیا کہ ریاست کے اسلامی تصور میں وحی کے اصولوں اور قوانین کو بنیاد بنایا جائے وہاں انھوں نے اس پر بھی زور دیا کہ یہی وہ ایک پابندی ہے جو ہر طرح کی آزادی دلا دیتی ہے۔ مثلاً انھوں نے لکھا:

> "اسلام کا یہ بنیادی تصور کہ آئندہ کا انسان کسی بھی وحی کا پابند نہیں ہو گا ظاہر کرتا ہے کہ ہم مسلمان روحانی طور پر دنیا کے آزاد ترین لوگ ہیں۔ ابتدائی زمانہ کے مسلمان جنھوں نے قبل اسلامی ایشیا کی روحانی غلامی سے نجات حاصل کی تھی اس بنیادی نکتہ کی حقیقی اہمیت کو نہ سمجھ سکے۔ لیکن آج کے مسلمان کے لیے لازم ہے کہ اپنی حیثیت کو پہچانے اور اپنی معاشرتی زندگی کو بنیادی اصولوں کی روشنی میں از سر نو تعمیر کرکے اسلام کے اصل مقصد یعنی روحانی جمہوریت جس کا ابھی صرف ایک محدود حد تک اظہار ہے مکمل طور پر نافذ کرکے دکھائے۔ " (۴)

اقبال نے کہا:

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

"وہ سیاست جو مذہب سے معرا ہو ضلالت و گمراہی ہے اور وہ مذہب جو اپنے احکام میں تمام ضروریات، انسانی کو ملحوظ نہیں رکھتا ایک ناقص قسم کی رہبانیت ہے۔ حقیقت یہ کہ بعض مغربی خیالات ایک نامحسوس زہر کی طرح ہمارے دماغوں میں سرایت کر گئے ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مذہب کو سیاست سے کوئی واسطہ نہیں۔ اکثر تعلیم یافتہ نوجوان بے تحاشا اس خیال کا اظہار کرتے ہیں اور قوم کو بھی اس پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ ان کو اس بات کا احساس نہیں کہ یہ خیال کم از کم اسلام کے لیے زہر قاتل ہے۔"(۵)

اقبال نے روح اور مادے کی ثنویت پر کاری ضرب لگائی اور مذہب کی سیاست سے علیحدگی کو چنگیزیت کہا مگر اقبال دین کو سٹیٹ کا ہم معنی خیال نہیں کرتے تھے۔ اقبال نے غلاموں کو اسلامی اتحاد، مسلمانوں کی نشاطِ ثانیہ اور اسلامی انقلاب کا پیغام دیا۔ قیام پاکستان اسی کا ایک حصہ تھا مگر انھوں نے بھی دستوری و آئینی جدوجہد کی عوامی و فکری جدوجہد کی۔ ان کے ذرائع گزر بسر کو تباہ کرنے کی بھی سخت ممانعت ہے۔ اقبال کا نظریہ تھا کہ سیاسی قوت کسی مذہب کی تبلیغ میں کچھ مددگار ثابت ہو سکتی ہے مگر ہماری تاریخ گواہ ہے کہ اسلام کے فروغ میں سیاسی قوت کا براہ راست تعلق نہ تھا اور اسلام کی عظیم ترین فتوحات سیاسی درماندگی میں بھی ہوئیں وہ منگولیا کی، کی گئی تباہی ہو یا ہسپانیہ میں اقتدار کا زوال اس سیاسی درماندگی میں سلجوقوں نے اور منگولوں نے جو فاتحین تھے خود مفتوحین کا مذہب قبول کر لیا۔ اقبال کے نزدیک قرآن کریم میں سیاسی اور سماجی بدامنی کی ہر صورت کی انتہائی مذمت اور ممانعت کی گئی ہے۔ مگر قرآن محض فساد کی لغت کی مذمت سے ہی مطمئن نہیں ہو جاتا وہ اس بڑائی کی جڑ تک جاتا ہے۔ اسلام کا مقصود ہے کہ ہر قیمت پر سماجی امن حاصل کیا جائے۔ معاشرے میں تبدیلی کے متشددانہ طریقوں کی غیر مبہم زبان میں مذمت کی گئی۔ کیونکہ یہ اپنی اصل کے اعتبار سے زبان و مکان کی جملہ شرائط سے بالاتر ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام کے مفاد مسلمان کے مفاد سے بالاتر ہیں تو اس سے مراد ہوتی ہے کہ ایک وحدت کے طور پر ایک فرد کا مفاد جماعت کے مفاد کے طابع ہے۔ یہ اسلامی اصول کی ایک خارجی علامت ہے۔ یہ ایک ایسی جماعت جو اللہ کے قانون کو کلیتاً بلند مانتی ہے جہاں صاحب اختیار کا قانون کی تاویل و تعبیر کے سوا اسلام کے سماجی ڈھانچے میں کوئی مقام نہیں اور جہاں انسانوں کے مابین ہر امتیاز سے بالاتر ہو کر مساوات و اخوت کی بنیاد پر معاشرے کی تشکیل ہے۔ اس میں مذہبی ذات پات، سماجی ذات پات و فرقہ واریت کی کوئی تعلیم نہیں کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام ان اقدار پر ایک معاشرہ ایک گروہ تعمیر کرتا ہے اور اسے دنیا میں ایک ماڈل کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اور انسانیت کو مذہبی اور سماجی توہمات سے

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

انسانیت کو آزاد کرنے کا کام کرے۔(۰۲) ر سیاست میں کسی طرح کی ثنویت کو قبول نہیں کرتے کیونکہ ان کے نزدیک اسلام کا سیاسی نظریہ بھی روحانی ہے۔ جیسے انھوں نے پیام مشرق کے دیباچے میں لکھا:

"اقوام مشرق کو یہ محسوس کر لینا چاہیے کہ زندگی اپنے حوالی میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں کر سکتی جب تک کہ پہلے اس کی اندرونی گہرائیوں میں انقلاب نہ ہو کوئی نئی دنیا خارجی وجود اختیار نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کا وجود پہلے انسانوں کے ضمیر میں متشکل نہ ہو۔ فطرت کا یہ اٹل قانون جس کو قرآن نے اِنَّ اللّٰہَ لَایُغَیِّرُ مَابِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِھِم کے سادہ اور بلیغ الفاظ میں بیان کیا ہے۔ زندگی کے جزوی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں پر حاوی ہے اور میں نے اپنی فارسی تصنیفات میں اسی صداقت کو مد نظر رکھنے کی کوشش کی ہے (۲)

یہ انسانی شعور یا معاشرتی زندگی کا انقلاب جو ایک معاشرے سے ہوتا ہوا بنی نوع انسان کو مخاطب کرتا ہے اس کے لیے یہ ممکن نہیں ہے وہ اسلام کے مقصود میں محض فرد کے تزکیہ نفوس کو مقصد قرار دیتے ہوئے غلبہ دین یا اعلائے کلمۃ اللہ کی جدوجہد کو نکال باہر کرے لیکن اقبال سمیت دوسرے مفکرین بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ بنیادی شروعات فرد کے بدلنے اور کردار کی تعمیر ہی سے ہوتی ہے مگر محض یہ منزل نہیں ہے۔ جیسا کہ فرد کا تزکیہ نفوس تو ہر باطل نظام کے تحت زندگی بسر کرتے ہو بھی کیا جا سکتا ہے۔ مگر خدا کا دین اس لیے نہیں ہے کہ وہ دیگر باطل نظاموں کے تحت محکومانہ اور عاجزانہ طور پر رہے بلکہ وہ ایک سیاسی اور سماجی تحریک ہے۔ اسی لئے اقبال نے کہا کہ ہند میں سجدے کی اجازت سے نادان ملا نے سوچ لیا کہ اسلام آزاد ہے۔

اقبال نے روح اور مادے کی ثنویت پر کاری ضرب لگائی اور مذہب کی سیاست سے علیحدگی کو چنگیزیت کہا مگر اقبال دین کو سٹیٹ کا ہم معنی خیال نہیں کرتے تھے۔ اقبال نے غلاموں کو اسلامی اتحاد، مسلمانوں کی نشاطِ ثانیہ اور اسلامی انقلاب کا پیغام دیا۔ قیام پاکستان اسی کا ایک حصہ تھا مگر انھوں نے بھی دستوری و آئینی جدوجہد کی عوامی و فکری جدوجہد کی۔ اقبال نے واضح پیغام دیا کہ ہم پر واجب ہے کہ اپنے نوجوانوں کو سلامتی پر راہ پر چلائیں۔ ان میں اخوت و مودت کو پروان چڑھائیں اور الحادی و مادی نظریات کا مقابلہ کرنے کی طاقت پیدا کریں۔ انھیں دل سے مسلمان بنائیں کہ مضامین اتحاد کی مسلمانوں کو سخت ضرورت ہے۔ انھوں نے اپنی روحانی جمہوریت کی بنیاد بھی انسان دوستی پر رکھی۔ اسلام کے سیاسی نظریے کے متعلق بھی انھوں نے اپنے مضمون اسلام بحیثیت ایک اخلاقی اور سیاسی تصور میں کہا کہ یورپی ناقدین نے ناحق اسلام پر الزام لگایا کہ یہ ایک ایسا مذہب ہے جو جنگ کی صورتِ حال کی طرف

اشارہ کرتا ہے اور اس صورت میں پھلتا پھولتا ہے۔ اقبال نے صاف کہا کہ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جنگ سے ایک قوم کی توانائی کا اظہار ہوتا ہے اور جو قوم لڑ نہیں سکتی وہ مقابلے کے زور اور شدت میں خود کو برقرار بھی نہیں رکھ سکتی جو انسانی ترقی کی ایک ناگزیر شرط ہے۔ اور قرآن نے یقینی طور پر دفاعی جنگ کی اجازت دی ہے لیکن کفار کے خلاف جارحانہ جنگ کلیتاً ممنوع کی ہے کہ قرآن کی تعلیم ہے کہ شفقت اور دانشمندی سے اسلام کی دعوت دو اور مشفقانہ طریقے پر بحث و تکرار کرو۔ حضرت محمد ﷺ کی زندگی میں جتنی جنگیں لڑی گئیں وہ سب کی سب دفاعی تھیں۔ ان کی سلطنت روم کے خلاف جنگ حکومت قسطنطیہ کی جانب ایک بین القوامی قانون کی مہلک خلاف ورزی کی بنا پر لڑی گئی تھی جس میں ایک معصوم عرب کو ہلاک کر دیا تھا جسے ان کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اور دفاعی جنگوں میں مفتوح پر بے لگام ظلم کرنا، عورتوں، بوڑھوں، بچوں میں ہاتھ اٹھانا، فصلیں یا شجر تباہ کرنا جو خلوت گزیں ہوں یا ہتھیار پھینک دیں ان کو نشانہ بنانا ممنوع ہے۔ اور ان کے ذرائع گزر بسر کو تباہ کرنے کی بھی سخت ممانعت ہے۔ اقبال کا نظریہ تھا کہ سیاسی قوت کسی مذہب کی تبلیغ میں کچھ مددگار ثابت ہو سکتی ہے مگر ہماری تاریخ گواہ ہے کہ اسلام کے فروغ میں سیاسی قوت کا براہ راست تعلق نہ تھا اور اسلام کی عظیم ترین فتوحات سیاسی درماندگی میں بھی ہوئیں جیسے منگول کی گئی تباہی ہو یا ہسپانیہ میں اقتدار کا زوال اس سیاسی درماندگی میں سلجوقوں نے اور منگولوں نے جو فاتحین تھے خود مفتوحین کا مذہب قبول کر لیا۔ اقبال کے نزدیک قرآن کریم میں سیاسی اور سماجی بدامنی کی ہر صورت کی انتہائی مذمت اور ممانعت کی گئی ہے۔ مگر قرآن محض فساد کی مذمت سے ہی مطمئن نہیں ہو جاتا وہ اس برائی کی جڑ تک جاتا ہے۔ اسلام کا مقصود ہے کہ ہر قیمت پر سماجی امن حاصل کیا جائے۔

ان کے نظریات اخلاقی راستے سے ہوتے ہوئے سیاسی منزل تک پہنچتے ہیں۔ انھوں نے اسلام بحیثیت ایک سیاسی نظام اور اخلاقی نظام سے متعلق مقالے بھی لکھے اور یہ فکر کہ اسلام محض تبلیغ کرنے کی شے نہیں کہ وہ جو مقصدِ اعلیٰ رکھتا ہے اس کے لیے پہلے افراد کے کردار کو مردِ مومن میں ڈھالتا ہے اس میں وہ خوبیاں پیدا کرتا ہے جن سے آگے چل کر وہ اعلائے کلمۃ اللہ کا کام لے۔ افکارِ اقبال میں اسلام جو بحیثیت ایک اخلاقی، سیاسی اور سماجی نظام میں ایک واحد سچا نظام اور آفاقی اصولِ انسانیت رکھتا ہے یہ تبھی انسانیت کے لیے باعث فلاح بنا سکتا ہے جب اسے قوت بھی حاصل ہو کیونکہ اس کا قوت کا فلسفہ بھی اخلاقی ہے۔ بغیر قوت کے یہ وہ نتائج نہیں دے سکتا جو اس کا مدعا ہیں۔ یعنی محض ایک قوت کسی اخلاقی نظام کے بغیر تخریبی بن جاتی ہے اور ایک اعلیٰ و ارفع نظام قوت کے بغیر اپاہج ہو جاتا ہے۔ جیسے طاقت کے بغیر بصریت اخلاقی رفعت سے ضرور آشنا کرتی ہے مگر اس سے دیرپا ثقافت پیدا نہیں ہو سکتی۔

اور بصیریت کے بغیر طاقت تخریبی اور غیر انسانی ہونے کا رجحان رکھتی ہے۔ انسانیت کی روحانی توسیع کے لیے ان دونوں میں ملاپ ہونا چاہیے۔ وہ اس سے نظریہ سے متفق تھے کہ اسلام نے جو عالمگیر نظم اجتماعی، جنگ و صلح وغیرہ سے متعلق اصول دیے ہیں وہ اپنی پشت پر قوت وریاست کا نظریہ رکھتے ہیں۔ مطالبہ پاکستان کے وقت بھی انھوں نے جو کچھ فرمایا اس کا لب لباب یہی تھا کہ اگر مسلمانوں کو موقع ملے تو انھوں ضرور جدوجہد کرنی چاہیے کہ وہ اس نظام کو ریاست کی قوت فراہم کر سکیں تاکہ ان اصولوں کو آزمائیں اور تاریخ میں ان آفاقی اصولوں اور نظام پر عرب ملوکیت کی جو چھاپ لگی ہے اس کا مداوا کیا جا سکے۔ اسی طرح اقبال کا نظریہ تھا کہ مسلمانوں کو اپنے زوال سے سبق سیکھ کر مستقبل میں اپنی نشاطِ ثانیہ اپنے عروج اور اسلام اور مسلمانوں کے بہتر مستقبل کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ اور مسلمانوں کو متحد ہو کر ایک ایسی قوت بننا چاہیے جو موجودہ مغربی استعمار کی ظالمانہ قوت کے مقابلے میں ایک اخلاقی قوت ہو جو دنیا کے لیے مسیحائی کا کام کرے۔

اقبال کے نزدیک ریاست جو کہ انسانوں کی تنظیم و تحفظ کرتی ہے اور حکومت اس کا نقطہ قوت ہوتا ہے۔ اس کی اثر پذیری انسانی زندگی میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ سیاسی اقدار یا قوت انسانوں اور معاشروں کے عروج و زوال میں اہم کردار ادا کرتا ہے اس لیے یہ کوئی ایسی چیز نہیں جسے اسلام سے الگ کر کے دیکھا جائے یا ایک محض ثانوی چیز قرار دیا جائے۔ اقبال بھی یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ ملت اسلامیہ کے خاص مقصد کی تکمیل کے لیے حکومت یا ریاست کی بہت اہمیت ہے کیونکہ سیاسی مغلوبیت میں انفرادی طور پر افراد کے قوائے انسانی اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت عجز و پستی میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور ان پر انحطاط اور غلامی کے سائے چھا جاتے ہیں۔ اسی لیے اقبال کی تمام شاعری ایک انقلابی شاعری ہے جو مسلمانوں کو مسلسل اپنے بلند نصب العین کے لیے جدوجہد پر اکساتی نظر آتی ہے۔ جب وہ مسلسل قوت کی ضرورت اور اہمیت اجاگر کرتے نظر آتے ہیں ایک نشاط ثانیہ کی امید دلاتے دکھائی دیتے ہیں اور اپنی انفعالی اقدار کو فعالی اقدار میں بدلنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اپنی بیاض شذرات میں لکھتے ہیں:

> ”میری رائے میں حکومت، خواہ جس قسم کی ہو وہ بہر صورت قومی کردار کے متعین کرنے والے عوامل میں سے ہے۔ سیاسی اقدار کا زوال قومی کردار کے حق میں بھی تباہ کن ثابت ہوتا ہے۔ مسلمانانِ ہند اپنے سیاسی زوال کے ساتھ ہی بڑی سرعت سے اخلاقی انحطاط میں مبتلا ہو گئے۔“(۸)

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایک نئی زندگی عطا فرمائے گا کہ جس قوم نے دین کی حفاظت کی ہے اس کو ذلیل ورسوا نہ کرے گا مگر شرط یہ ہے کہ مسلمان دین پر عمل اور اس کی حفاظت کرنے والے ہوں۔ اسی لئے جب اقبال امامت کی بات کرتے ہیں تو ابتدا مرد مومن سے کرتے ہیں۔ وہ اخلاقی راستے سے سیاسی منزل تک پہنچتے ہیں۔ اقبال ریاست کو فرد کی تربیت، قومی ادراک اور اس کے استحکام کے لیے لائحہ عمل کا پابند کرتے ہیں اور فرد کو اس بات کا پابند کرتے ہیں کہ وہ اس لائحہ عمل سے فائدہ اٹھائے اس تربیت، قومی ادراک کو مستحکم کرنے کے بعد اپنے دائرہ کار میں رہ کر قومی نشو ونما کا حصہ بنے کہ قومی زندگی افراد کے عمل سے جنت کا جہنم بن سکتی ہے۔ اسی طرح ریاست افراد کی جسمانی اور روحانی پرورش کا انتظام کرتی ہے اور افراد یا قوم ریاست کے زمانی تسلسل اور قومی تاریخ کی حفاظت اور عروج کا باعث بنتے ہیں۔ جیسے اقبال نے ایک جگہ لکھا تھا کہ مسولینی کا قول ہے جس کے پاس فولاد ہے اس کے پاس روٹی ہے میں اس میں ترمیم کی جسارت کرتا ہوں اور کہتا ہوں "جو خود فولاد ہے اس کے پاس ہر چیز ہے۔"(۹)

حوالہ جات

۱۔ محمد اقبال، "مقالاتِ اقبال" مرتبہ عبدالواحد معینی (لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۸۸)ص:۳۰۸،۳۰۴

۲۔ محمد اقبال، "تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ"، مترجم سید نذیر نیازی (لاہور: بزم اقبال، کلب روڈ، ۱۹۹۴) ص:۲۳۹،۲۳۷

۳۔ محمد اقبال، تقریریں، تحریریں اور بیانات، مترجم، اقبال صدیقی، (لاہور، اقبال اکادمی پاکستان ۲۰۱۵) ص، ۲۰ تا ۲۴

۴۔ محمد اقبال، "تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ ص،۲۷۶،۲۷۷

۵۔ محمد حنیف شاہد، "اقبال اور انجمن حمایتِ اسلام" (لاہور: کتب خانہ انجمن حمایت اسلام، ۱۹۷۶) ص :۱۰۲،۱۰۳

۶۔ محمد اقبال، "پیام مشرق"، دیباچہ

۷۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، بحوالہ "زندہ رود" (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸)ص:۲۳۱

۸۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، "اقبال تقریریں، تحریریں اور بیانات"، مترجم اقبال احمد صدیقی، ص:۶۱